دینی جماعتوں کا افسوسناک طرز عمل

اداریہ

۳ فروری ۹۷ء کو پاکستان میں عام انتخابات منعقد ہوں گے اور وطن عزیز کے مستقبل کا نہایت اہم فیصلہ عوام الناس کریں گے۔ عوام کیا چاہتے ہیں ؟ یہ بات اب راز نہیں ہے۔ یہ سیدھے سادھے لوگ امن' بھائی چارے کی فضا کی تمنا رکھتے ہیں۔ امن اور سکون چاہتے ہیں۔ ان کی آرزو ہے کہ ان کے مال وجان کو تحفظ حاصل ہو۔ اور ملک میں خوشحالی ہو اور جس مقصد کے لئے یہ ملک حاصل کیا تھا وہ مقصد پورا ہو۔ عوام کی ان خواہشات کی تکمیل میں دینی اور سیاسی جماعتوں نے اب تک جو کردار ادا کیا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ہمیں سیاسی جماعتوں سے قطعاً یہ توقع نہیں کہ وہ کوئی قابل قدر کردار ادا کر سکیں گی۔ اور اس ملک کے حصول کے مقاصد کو پورا کریں گی۔ لیکن دینی جماعتوں سے ہمیں یہ امید تھی اور ہے کہ وہ یہ فریضہ سرانجام دیں گی۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ قیام پاکستان سے لے کر اب تک دینی جماعتوں کا کردار اور طرز عمل نہایت مایوس کن رہا اور انہوں نے کسی ایک مقصد کو بھی حاصل کر لینے میں اخلاص سے کام نہیں لیا اور نہ ہی اس کے لئے ذہن سازی کی اور نہ ہی اپنے آپ کو اس اہل ثابت کیا بلکہ اپنے طرز عمل اور کردار سے لوگوں کو متنفر ہی کیا اور ان میں نفرت کے بیج بوئے' فرقہ واریت کو ہوا دی۔ مسلک کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کیا۔ بلکہ تقسیم در تقسیم کیا۔ ان میں بڑی بڑی خلیجیں پاٹ دیں۔ جس کے نتیجے میں عام طبقہ مخصوص گروہوں میں بٹ کر رہ گیا۔

کچھ ستم ظریفی یہ ہے کہ وطن عزیز میں دینی یا سیاسی جماعت بنانے کے لئے کوئی لائحہ عمل نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی ضابطہ اخلاق کی پابندی۔ جو چاہتا ہے

اور جیسا چاہتا ہے اور جب چاہتا ہے نئی دینی تنظیم قائم کر لیتا ہے۔ اور اس تنظیم کے اغراض و مقاصد کتنے زہریلے ہی کیوں نہ ہوں انہیں کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ قیام پاکستان کے مقاصد سے متضاد ہی کیوں نہ ہو کوئی بازپرس نہیں۔ بلکہ سب سے بڑا ظلم تو یہ ہے کہ ان کا وجود ہی کتاب و سنت کے برخلاف ہے لیکن کوئی ان کا راستہ نہیں روک سکتا۔

جو جماعتیں اپنے کارکنوں سے ہی مخلص نہ ہوں وہ وطن کے لئے کیا اخلاص پیش کریں گی۔ ذاتی مفادات اور عہدہ طلبی نے انہیں اندھا کر کے رکھ دیا۔ دینی جماعتوں کے قائدین کی ذاتی پسند اور ناپسند ہی معیار بن کر رہ گیاہے۔ اجتماعی مفادات یکسر فراموش کر دیئے گئے ۔ اور اب حالت یہ ہے کہ ملک میں موجود بیسیوں دینی جماعتیں ہیں ان میں زرا بھی ہم آہنگی نہیں ہے۔ کسی ایک مسئلہ پر بھی اتحاد و اتفاق نہیں۔ وطن کی سالمیت کی خاطر ہی سہی۔ یہ لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو جاتے۔ لیکن دوسروں کے آلہ کار اور دشمنوں کے ایجنٹ یہ گماشتے کیونکر ایک جگہ جمع ہوں گے۔ یہ ہمیشہ دوسروں کے مفادات کے لئے مکروہ ترین کردار ادا کرتے رہے ہیں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ عوام میں ان کی مقبولیت کتنی ہے۔ نہایت بے شرمی کے ساتھ ایک ہی نغمہ الاپ رہے ہیں۔ کہ وہ تنہا پرواز کریں گے۔ یہ سہی ہے کہ وہ کسی سیاسی جماعت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ لیکن تمام دینی جماعتیں خود تو ایک محاذ پر جمع ہو سکتی ہیں۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہوتا۔ آخر کیوں ؟

ہمیں یہ لکھنے میں ذرا بھی باک نہیں کہ گزشتہ انتخابات میں بھی ان کے اس مذموم کردار کی وجہ سے پوری قوم تین سال یرغمال بنی رہی اور نہایت ہی کسمپرسی میں یہ دن گزارے لیکن اپنے گزشتہ طرز عمل سے کیا سبق حاصل کیا؟

اب جبکہ ایک اور موقعہ ملا ہے تو پہلے سے بھی زیادہ بھیانک کردار ادا کرنے پر تل رہے ہیں۔ اور رہتی کسر نکال کر دم لیں گے۔ دوسروں سے یہ

توقع رکھتے ہیں کہ وہ الیکشن میں ایسے امیدوار کھڑے کریں جو دفعہ ۶۲۔۶۳ کے مطابق ہوں۔ خود انہی کے مسترد کردہ امیدواروں کو اس لئے ٹکٹ سے نوازا جاتا ہے تاکہ وہ شدت کے ساتھ ان کی مخالفت بھی کر سکیں۔ اور دفعہ ۶۲۔۶۳ کی دینی جماعتیں، جس طرح دھجیاں اڑا رہی ہیں شاید اس سے بہتر سلوک سیاسی جماعتیں کر رہی ہوں۔

پستی کی انتہا دیکھئے کہ مولانا فضل الرحمٰن کے اپنے کردار کی وجہ سے ایک بدنام زمانہ عورت "مسرت شاہین" انتخاب میں اس کا مقابلہ کر رہی ہے۔ یہ جرات کیونکر پیدا ہوئی ؟ اگر موصوف خود صاحب کردار ہوتے تو آج مسرت شاہین تو کیا کسی کو بھی ان کے مقابلے میں آنے کی جرات نہ ہوتی۔

ماضی کے انتخابات میں دینی جماعتوں کے بڑے بڑے گرگے ناک آؤٹ ہوئے اور اب بھی یہی کچھ ہوگا کہ غیر ملکی آقاؤں کی خوشنودی اور اشاروں پر ناچنے والے وہی کردار ادا کریں گے جس کے لئے انہیں نامزد کر دیا گیا ہے۔

ہم ان کے اس طرز عمل پر افسوس اور غم و غصے کا اظہار ہی کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان میں تبدیلی کے امکانات نظر نہیں آتے۔ ان کی ہٹ دھرمی اور خود غرضی اس قدر بڑھ چکی ہے کہ آنکھوں پر پڑی پٹی کی وجہ سے انہیں صاف دکھائی نہیں دیتا۔ عوام کی شدید نفرت کا اندازہ انہیں اس روز ہوگا جس دن ووٹ کی قوت سے عوام ان سے بیزاری کا اظہار کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

بقیہ :۔ مسائل و احکام

کئی ایک روایات سے بھی چلتا ہے۔ لیکن ان کی استنادی حیثیت مخدوش ہے۔ (انظرحاشی بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی ۱۰ ر ۱۰ و مجمع الزوائد ۲ ر ۳ ر ۱۵۹۔۱۶۰)